قدیم سودی مالیاتی نظام کا تحقیقی جائزہ

صائمہ بنت محمد ہارون*

Abstract

Contemporary modern interest-bearing financial system, "economic system", has become an integral part and the prevalent system reflects that in the modern progressive era of growth where other arts have seen progress than in the old days the modern interest bearing system has become a part of the financial development. Interest in the present era has being understood as a direction for financial growth and development of economy hence in some way or the other been tried to be enforced in to the Islamic world such that it becomes a need and no country can live without. And the objectives of this interest bearing system can meet their targets. In Muslim countries minds that do not have deep commitment with Islamic teaching have been convinced in a way that in the ancient days this level of interest was not needed as in the present era. So, on the interest of present day "riba" can't be applied whose prohibition is proved by Islamic law. The impression that interest is the need of modern times in ancient times to modern times this level of interest is not required, nor was there any specifically organized circle like today concept the financial system may be of interest not only if favor of contemporary practice in the present, but also an extremely ancient system was out there and have some evidence of old banking practices.

This article, with the vividness of ancient religions, has proved that "interest" in antiquity is as same as of today. The form of interest and its impacts aren't get changed by the change in ancient or current business practices. Interest is interest, whether it is found in ancient religions or at the

* صائمہ بنت محمد ہارون، ریسرچ اسکالر، شعبہ قرآن وسنہ، جامعہ کراچی، کراچی۔

advent of Islam or even after that in the modern day. It embodies the same "riba" whose prohibition is proved in the Islamic sharia.

***KEYWORDS**: Economic System,Riba (interest),Islamic Law.*

سود کی عہد قدیم میں افزائش

بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل عربوں میں رائج سودی نظام قدیم مذاہب کے سودی نظریات سے ہی پیوستہ تھا۔ کیونکہ سود نہ عصر حاضر کی افزائش ہے اور نہ ہی دور نبوی ﷺ کی، بلکہ یہ ناسور تو تاریخ کے نامعلوم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ تاریخ سود کے تصور کو قبل از مسیح تسلیم کرتی ہے۔ اوراس کے وجود کی بنیاد "ذاتی مفادات اور لوگوں کا خود ساختہ معاشی نظام کو جنم دینا" قرار دیتی ہے۔ سابقہ اقوام جس طرح اپنی طرزِ زندگی گزارنے میں اپنی مرضی کو ترجیح دیتے تھے اسی طرح معاشی نظام میں بھی اپنی چاہت کے مطابق مداخلت اپنا حق سمجھتے اور ذاتی مفادات کے حصول کے لیے راہیں سہل کرتے تھے اسی لیے خود ساختہ معاشی نظام ہمیشہ افراط و تفریط کا شکار رہاہے اور معیشت میں بگاڑ کرنے والوں کا طبقہ ابتدا سے رہاہے۔ جیسا کہ قوم شعیب نے بھی اپنے پیغمبر کو یہی کہا تھا کہ:

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (۱)

"آپ کی نمازیں آپ کو یہ سکھاتی ہیں کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑدیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو۔"(۲)

جدید مالیاتی نظام نے سود کو مالی معاملات کی جدید صورتوں میں پرو تو دیا ہے لیکن اس سے سود کی حقیقی شکل خارج نہیں ہوئی بلکہ ہو بہو قدیم زمانے کے اصل سود سے مماثل ہے جسے اب معیشت کا جزو لاینفک قرار دے دیا گیا ہے۔ زمانہ قدیم کے سودی نظام کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ "سود وربا" کا تصور زمانہ قدیم سے ہے اور سود کی افزائش کا ثبوت صرف عہد رسالت مآب ﷺ سے نہیں بلکہ قبل از مسیح قدیم مذاہب سے ثابت ہے۔ جس میں ہندو مت، یہودیت کا نظامِ سود اور روما، یونان، مصر و بابل کے قدیم و ابتدائی طرز کے بینکوں کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔

ہندو مت میں سود

عصر حاضر میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی تاریخ دیکھی جائے تو اکثر وبیشتر مذاہب کا تعلق بہت قدیم زمانے سے ہے اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قدیم مذاہب اپنی اصل حالت میں نہیں رہے ہیں۔ تاہم قدیم مذاہب کی تاریخ قبل از مسیح سے جڑی ہوئی نظر آتی ہے ان میں ہندو مذہب کو بہت قدیم شمار کیا جاتا ہے۔ ہندو مت کی تاریخ بہت پرانی ہونے کی وجہ سے اس میں وقتاً فوقتاً تغیر حالات کے سبب مختلف و متضاد عقائد و رسوم، رجحانات، تصورات

اور توہمات جنم لیتے رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے عقائد، عبادات، اور دینی کتب بھی باہم مختلف رہیں۔ جن میں چار وید، گیتا، منوسمرتی کو دینی اساس حاصل ہے۔ ہندو مت انتہائی قدیم مذہب ہے جس کا اندازہ ویدک دور سے کیا جاسکتا ہے کیونکہ اسی دور میں موجودہ ہندو مذہب کی بنیاد پڑی تھی۔ جیسا کہ "آزاد دائرۃ المعارف ویکیپیڈیا" میں ہے کہ:

"ویدک تہذیب قدیم بھارت کی تہذیب ہے جس میں ویدوں کی تخلیق ہوئی. بھارتی علما کے مطابق یہ تہذیب بھارت میں آج سے تقریباً ۸۰۰ سال قبل مسیح شروع ہوئی تھی، لیکن مغربی علما کے مطابق آریوں کی ایک کمیونٹی بھارت میں تقریبا ۲۰۰۰ قبل مسیح آئی اور ان کی آمد کے ساتھ ہی یہ تہذیب شروع ہوئی. عام طور پر زیادہ تر دانشور ویدک تہذیب کا دور ۲۰۰۰ عیسوی قبل مسیح سے ٦۰۰ عیسوی قبل مسیح کے درمیان میں شامل مانتے ہیں۔"(۳)

قدیم سودی نظام کی تحقیق کے نتیجے میں یہ واضح ہوتا ہے کہ ہندو مت میں سود کا نرخ قانون میں مقرر تھا اور ہر ایک ذات کے لیے علیحدہ علیحدہ شرح مقرر تھی۔ برہمن بہ نسبت چھتری کے کم سود دیتا اور چھتری نیچے کی دونوں ذاتوں سے کم۔ اور برہمن کے ساتھ ذات کے اعلیٰ نسب ہونے کی وجہ سے سود وصول کرنے میں بھی امتیازی رویہ رکھا جاتا۔ سود کی شرح کے متعلق "منو کے قوانین" میں ہے کہ:

"Just two in the hundred, three, four, and five (and not more) he may take as monthly interest according to the order of the castes".(۴)

"یعنی کہ "قرض کی شرح سود برہمن سے فیصدی ۲ روپے، چھتری سے ۳روپے دیش سے ۴ روپے اور شودر سے ۵روپے سود ماہوار وصول کی جائے۔"

اس طرح اس قوم کے ذات و نسل کی تفریق کے نتائج ان کی معیشت پر مرتب ہوئے۔ اسی وجہ سے اس نظام میں اہل پیشہ کو عموماً حقیر اور ادنی تصور کیا جاتا تھا اور برہمنی معاشرے میں معاشی حالات میں خاص امتیاز رکھا جاتا تھا۔ شودروں اور نیچ ذات والے لوگوں سے قرض کی شرح سود زیادہ لی جاتی تھی اور برہمن سے کم لی جاتی تھی۔

کوتلیہ چانکیہ جو کہ " ارتھ شاستر " کے مصنف ہیں ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

"اس نے معاشیات اور حکومت کے موضوع پر ایک ایسے دور میں قطعی رسالہ لکھا جب دنیا کا زیادہ تر حصہ عقلی تاریکی میں گم تھا ایک روایت کے مطابق یہ ایک کمزور اور غریب برہمن تھا۔ ایک اور قصے کے مطابق وہ شمالی ہندوستان کا برہمن تھا"(۵)

اس پرانی تصنیف "ارتھ شاستر "(۳۱۱-۳۰۰ ق م) میں بھی سودی نظام کا تصور موجود ہے۔ اس کتاب میں شرح سود کے متعلق مذکور ہے کہ: "پانچ پن ماہانہ "سود کی کاروباری شرح ہے جبکہ سوا پن ماہانہ مناسب شرح سود ہے جنگلات کے مکینوں میں دس پن اور بحری تجارت کرنے والوں میں بیس پن کے حساب سے بھی سود کی شرح مقرر ہے۔ کاروبار سے متعلقہ سامان پر عائد ہونے والا سود باقاعدگی سے سال کے اختتام پر ادا کیا جائے اور اس کی شرح منافع سے

نصف مالیت کے برابر ہو۔ ادا کرنے والے کے ریاست سے باہر ہونے یا اس کی اپنی خواہش کے سبب اگر سود ادا کرنے کے بجائے جمع ہونے دیا جائے تو سود سمیت کل رقم اصل رقم سے بڑھ بھی سکتی ہے رقم دینے والا اگر مقررہ مدت سے پہلے سود طلب کرے یا سود کی رقم کو اصل رقم میں شامل کرے تو وہ متنازعہ رقم سے دگنی رقم بطور جرمانہ ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ کوئی لین دار اپنی دی ہوئی رقم سے چار گنا زیادہ سود طلب کرے تو وہ ناجائز رقم سے چار گنا زیادہ جرمانہ ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ اس جرمانے کا تین چوتھائی قرض دینے والا اور ایک چوتھائی قرض دار ادا کرے گا۔ "اگر قرض دار مندرجہ ذیل قسم کے ہوں تو ان کے لیے قرضوں پر سود نہیں بڑھے گا۔ ۱۔ بہت غریب ہوں۔ ۲۔ چھوٹی عمر کے ہوں۔ ۳۔ کسی عالم کے پاس تعلیم کی غرض سے ٹھہرے ہوئے ہوں۔ ۴۔ کسی طویل قربانی کے لیے مشغول ہوں۔ قرض دار سے قرضے کی رقم وصول کرنے میں دانستہ تاخیر کرنے والا یا یکسر انکار کرنے کا مرتکب بارہ پن جرمانہ ادا کرنے کا پابند ہوگا قرض لینے والا اگر کسی معقول وجہ سے قرض دار سے رقم وصول کرنے سے انکار کردے تو اصل رقم کسی تیسرے شخص کے پاس امانت کے طور پر رکھوا دینی چاہیے۔ ایسے قرضے واپس نہیں کیے جائیں گے جو دس سال تک یا اس سے زائد مدت التوا کا شکار رہے ہوں۔" لیکن مندرجہ ذیل صورتوں میں یہ اصول لاگو نہ ہوگا۔

۱۔ قرض خواہ نابالغ ہو۔ ۲۔ قرض لینے والا ضعیف ہو۔ ۳۔ قرض خواہ وفات پا چکا تھا۔ ۴۔ قرض لینے والا حادثات کا شکار رہا ہو۔ ۵۔ قرض لینے والا ریاست سے باہر ہو۔ ۶۔ قرض خواہ ریاست سے فرار ہو جائے۔ ۷۔ ملک میں امن و سکون نہ ہو۔"[۶]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سود کی باقاعدہ طور پر شرح مقرر تھی یعنی کہ کاروبار سے متعلقہ سامان پر عائد ہونے والا سود باقاعدگی سے سال کے اختتام پر ادا کیا جانے کا قاعدہ مقرر تھا اور اس کی شرح منافع سے نصف مالیت کے برابر تھی۔ ادا کرنے والے کے ریاست سے باہر ہونے یا اس کی اپنی خواہش کے سبب اگر سود ادا کرنے کے بجائے جمع ہونے دیا جاتا تو سود سمیت کل رقم اصل رقم سے بڑھ بھی جاتی تھی۔

یہودیت میں سود

قدیم مذاہب میں یہودیت اہم ترین مذہب ہے۔ جیسا کہ عصر حاضر میں بھی یہودی تعداد میں کم ہونے کے باوجود اس دور کا اہم ترین مذہب ہے۔ یہودیت کے قدیم ہونے کے بارے میں رضی الدین سید فرماتے ہیں کہ:

"یہودیت تقریباً ۴۰۰۰ سال پرانا مذہب ہے۔"[۷]

رابرٹ وین ڈی ویئرک "یہودیت کے قدیم ہونے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"یہودی وہ ہوتا ہے جو یہودی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو اور وہی یہودی عظیم عبرانی پیغمبران حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، اور حضرت یعقوبؑ کی مذہبی وراثت کا دعویدار ہو سکتا ہے، یہودیت، یہودی لوگوں کا قدیم

مذہب ہے، یہودی مذہب کی ابتدا حضرت ابراہیم نے انیس سو قبل مسیح اس وقت کی جب انھوں نے اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین میسوپوٹیما (موجودہ عراق) سے نقل مکانی کی اور مغرب کی جانب گئے ۔ "(۸)

سودی نظام کے حوالے سے یہودیوں کا مرکزی وکلیدی کردار رہا ہے جو ہنوزان کے پیش کردہ معاشی نظام کا جزولاینفک ہے۔ اگرچہ تورات میں سود کی ممانعت موجود تھی مگر پھر بھی انھوں نے اپنے مالیاتی معاملات کو سود پر ہی قائم رکھا ہوا تھا اور دور دراز کے علاقوں تک یہ جال پھیلایا ہوا تھا۔ یہودیت میں سود کے نظریے کے بارے میں کتاب خروج میں ہے کہ:

"اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا۔"(۹)

جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہودی مذہب میں آپس میں سود حرام تھا لیکن "غیر یہودی کو سود پر قرضہ دینا" کی تاویل بالباطل انھوں نے درج ذیل عبارت سے اخذ کی۔ جیسا کہ استثنا میں ذکر ہے کہ:

"تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔ تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا تا کہ خداوند تیرا خدا اس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جارہا ہے تیرے سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے۔"(۱۰)

تورات کی ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہودیت کی اصل اساس میں "سود" حرام تھا۔ لیکن ان کے آزری پیشواؤں نے "تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا" کی تاویل بالباطل کر کے غیر یہودیوں سے سود لینا عام طور پر جائز قرار دے دیا۔ بلکہ اس کو عمومی رواج اس حد تک دیا کہ خود بھی اس میں ملوث ہونے لگے۔ اور بھاری شرح سود پر قرضے کی فراہمی اور اس کے بعد سود در سود کا چکر ان کا اہم کاروبار بن گیا۔ اس طرح انھوں نے باہم سودی نظام کی حلت کو فروغ دیا۔ اور سود کاری کی مختلف شکلوں کی حلت کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اس کے نتیجے میں ان میں جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کے طبقات پیدا ہو گئے اور یہ اس نظام کو دور دور تک پھیلانے میں کامیاب رہے یوں ان کی معاشی زندگی کی اساس سرمایہ داری وسود کاری پر استوار ہو گئی اور سرمایہ دارانہ نظام نہ صرف ان کی رگ وپے میں بسا بلکہ انھوں نے دنیا میں اس نظام کو چلانے کی بھرپور کوشش کی۔ الغرض سرمایہ دارانہ نظام یہودی اقتصادیت کی اساس اور ان کے معاشی فلسفے کا اصل الاصول ہے، جس کا انحصار سود پر ہے اسی وجہ سے اس کی تگ ودو میں یہودی ہمیشہ سرگرم عمل رہے ہیں۔

عیسائیت میں سود

عیسائیت کی تعلیمات کے بارے میں واضح ہے کہ موجودہ عیسائیت کو حضرت مسیح سے بہت دور کا تعلق ہے موجودہ مذہب اور عقائد تو سینٹ پال کے تخیلات ہیں "سینٹ پال نے تو حضرت مسیح کو دیکھا اور نہ ان سے کوئی استفادہ کیا۔

ابتدا میں سینٹ پال تو خود اس وقت کے مختصر سے عیسائی گروہ کے ستم ڈھانے میں پیش پیش تھے بعد میں چل کر عیسائیت اختیار کرلی۔ ان کا نام پہلے سال تھا بعد میں عیسائیت اختیار کرنے کے بعد پال اپنا نام رکھ لیا۔"(۱۱)

مسیحی مذہب کی زیادہ تعلیمات نہ مل سکنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ سینٹ پال کی دسترس میں آنے کے بعد اس کی حقیقی صورت باقی نہ رہی۔ چنانچہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں:

"مسیحی مذہب میں کبھی بھی اس درجہ تفصیل ووضاحت نہ تھی جس کی روشنی میں زندگی کے اہم مسائل سلجھائے جاسکیں یا اس کی بنیاد پر تمدن کی تعمیر ہوسکے۔ جو کچھ تھا وہ صرف حضرت مسیح کی تعلیمات کا ایک ہلکا سا خاکہ تھا۔ یہ امتیاز بھی اس وقت تک باقی رہا جب تک مذہب سینٹ پال کی دستبرد سے بچا رہا۔ اس نے تو آکر رہی سہی روشنی بھی گل کردی۔ غرض یہ کہ چوتھی صدی ہی میں مسیحیت ایک معجون بن کر رہ گئی۔" (۱۲)

تاہم عیسائیت کی حقیقی تعلیمات کی تلاش کے لیے عہد نامہ جدید کی تحریروں اور اناجیل کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، سود کے حوالے سے ان کی تعلیمات کی روشنی میں یہ سجھائی دیتا ہے کہ عیسائیت ایک ایسا نظام پیش کرتی ہے جس کو اس دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جس میں ارتکازِ دولت انتہائی مذموم عمل ہے اور مال کی تقسیم افضل عمل ہے۔ کیونکہ انجیل متیٰ میں ہے کہ:

"دولت مند کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔ بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔"(۱۳)

اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے عیسائیت میں سود پسندیدہ نہیں تھا کیونکہ سود ارتکاز دولت اور سرمایہ دارانہ نظام کا منبع ہے۔ جس میں دولت چند ہاتھوں میں آکر گردش کرتی ہے اور غریب لوگ محتاج ہی رہتے ہیں۔

قدیم طرزِ بینکاری

قدیم طرزِ بینکاری کے کچھ آثار یونان، جرمن، (روما) میں نظر آئے ہیں اگرچہ سلطنت روما کے زوال کے ساتھ یہ بھی منظر عام سے غائب ہوگئے تھے۔ پھر دوبارہ بارھویں اور تیرھویں صدی میں جدید بینکاری کا احیا ہوا جو تاہنوز جاری ہے۔ گویا کہ بینکنگ کی ابتدائی صورت حال قدیم بینکاری ہی ہے۔ کیونکہ مالیاتی معاملات میں بینک اعصاب کی حیثیت رکھتا ہے اور سود کا اصل تعلق قرض کے ساتھ ملحق ہے۔ اسی لیے بینکاری نظام کے رواں دواں رہنے کی حقیقی بنیاد قرضوں کا کاروبار ہے، قرضوں کی فراہمی اور قرضوں کی وصولی دونوں ہی بینکنگ سسٹم میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ، کیا زمانہ قدیم میں بھی بینکاری نظام تھا؟ تو تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بینکاری نظام کے نظریے کا آغاز قبل مسیح سے ہوگیا تھا۔ اگرچہ عصر حاضر کی طرح ترقی یافتہ صورت نہ تھی کیونکہ اب دنیا گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کرچکی ہے اور عالمی سطح پر سودی نظام منضبط ومربوط ہے۔ قدیم بینکاری میں سب سے پہلے کار فرما بابل شہر والے تھے یہ تقریباً

۸۰۰ قبل از مسیح کی بات ہے۔اس وقت بھی طریقے کار یہی تھا کہ قرض پر سود وصول کیا جاتا تھا۔اور یونان و روم کے بینکوں میں امانتیں قبول کر کے مناسب شرح سود عائد کی جاتی تھی اور کرنسی کا تبادلہ بھی کیا جاتا تھا جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہے. جو ویب سائٹ آف بینکنگ ہسٹری سے لی گئی ہے:

> The idea of banks began as long ago as 1,800 BC in Babylon. In those days moneylenders made loans to people. In Greece and Rome banks made loans and accepted deposits. They also changed money...However banking began to revive again in the 12th and 13th centuries in the Italian towns of Florence and Genoa. In the 16th century a German family called the Fuggers from Augsburg became very important bankers.[۱۴]

"بینکاری کا آئیڈیا ۸۰۰ قبل از مسیح میں بابل میں شروع ہوا ان دنوں میں سرمایہ دار لوگوں کو قرض دیا کرتا تھے، یونان اور جرمن کے بینکوں میں قرض کی فراہمی بھی تھی اور امانتیں بھی رکھوائی جاتی تھیں اور کرنسی کا تبادلے بھی کیا جاتا تھا۔ تاہم سلطنت روما کے زوال کے ساتھ تجارت ٹھپ ہوگئی اور بینک عارضی طور پر غائب ہوگئے۔ پھر دوبارہ بینکاری کے احیا کا آغاز بارھویں اور تیرھویں صدی میں فلورنس اور جینوا (اٹلی) کے اطالوی قصبوں میں ہوا۔اور سولھویں صدی میں جرمن میں ایک خاندان جنھیں "فاگرز" کہا جاتا تھا بہت ہی ماہر بینکار ثابت ہوئے۔"

مظفر حسین ملا ٹھوی قدیم طرز بینکاری کے بارے میں وضاحت سے رقم طراز ہیں کہ: "بینکاری کی یہ بالکل ابتدائی صورت ہے جس سے نظام بینکاری عہد بہ عہد ترقی کرتا ہوا جدید نظامِ بینکاری کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ چھے سو سال قبل مسیح میں چمڑا، کوڑی اور چاقو کو بطورِ زر استعمال کیا جاتا تھا یعنی ان اشیا سے ذریعے مبادلہ کا کام لیا جاتا تھا۔ پھر جب تانبہ دریافت ہوا تو تانبے کی سکّہ بازی شروع ہوئی اور اشیا کا تبادلہ تانبے کے سکے سے کیا جانے لگا۔ گویا کہ بینکاری کی ابتدا زر کی ایجاد سے بہت قبل ہو چکی تھی۔ در اصل اسی دور سے "زری معیشت کے دور" کی ابتدا ہے اور جب سونا، چاندی دریافت ہوئے تو زری معیشت کا "زریں دور" شروع ہوتا ہے۔ جب تانبے کا سکّہ وجود میں آیا تو تاریخ بتاتی ہے کہ بینکاری کا نظام پوری طرح سے رائج ہو گیا تھا۔ قومی معبد "دو ہزار سال قبل مسیح" جبکہ سکہ ایجاد نہیں ہوا تھا جدید بینکاری کے طرز پر لوگوں کی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ ایسے اداروں کے وجود کی بھی شہادتیں قدیم یونان، مصر، روما، اور بابل کی قدیم تاریخ سے بھی ملتی ہے۔ خط میخی کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے بنو قد نزار کے زمانے میں ۵۷۵ تا ۶۰۰ قبل مسیح کے قریب قرض کے لین دین کا ادارہ ایگبی اور سونسو کے نام سے بابل میں قائم تھا۔ ۶۶۰ قبل مسیح میں اسکندریہ میں بینک کے وجود کا تذکرہ تاریخ میں موجود ہے۔ "ہینتھر کا دور (۴۸۰ - ۳۹۹ قبل مسیح)" جو عہد زریں کہلاتا ہے اس دور میں وہاں بینک کے اداروں کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ اپالو کا معبد جو ڈلفی میں تھا ایک حد تک سارے یونان کے لیے بین الاقوامی بینک کا کام انجام دے رہا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرا ادارہ مشہور معبدی بینک ڈیلاس میں موجود تھا۔ یہ دونوں ادارے ودیعتیں

رکھتے تھے اور ۱۰ سے ۳۰ فیصد سالانہ شرح سود پر ان میں سے رقوم قرض دیا کرتے تھے۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ سکے کی ایجاد کے ساتھ ساتھ ہی باضابطہ شرح سود کا تعین کیا جانے لگا تھا۔"(۱۵)

بابل میں کوئی سرکاری بینک نہیں تھا تاہم چند ذی حیثیت خاندان مہاجنی کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کے گھروں اور عبادت خانوں کو ہی بینک کی حیثیت حاصل تھی۔ جہاں رقم کی ادائیگی ہنڈیوں یا تحریری ڈرافٹ کے ذریعے بھی ہوتی تھی۔ تحریری دستاویزات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجارتی مفادات اور ہنڈیوں، خرید و فروخت، ٹھیکا اور شراکت داری کے کمیشن، تبادلہ، کے متعلق ہیں۔ جیسا کہ "سود پر تاریخی فیصلے" میں درج ہے کہ:

"عبرانیوں نے جب سرمایہ قرض دینا شروع کیا، اس زمانے میں وہ ایسا کوئی بینکاری کا نظام نہیں رکھتے تھے جسے جدید نقطۂ نگاہ سے مکمل کہا جاسکے، لیکن ۲۰۰۰ ق م کی ابتدا سے بابل کے رہنے والوں نے اس طرح کا ایک نظام تیار کر لیا تھا۔ یہ کسی انفرادی یا ذاتی تحریک کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ یہ مال دار اور منظم مذہبی اداروں کی طرف سے ادا کی جانے والی ضمنی خدمت تھی، بابل کے عبادت خانے مصر کے عبادت خانوں کی طرح بینک بھی تھے بابل کی ایک دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ چاندی کے سکے (shekels) کو اڈاڈری مینی کے بیٹے ماس شماخ نے وارڈ این ہل کی بیٹی سورج پرست امت شماخ سے قرضے کے طور پر لیے تھے، وہ سورج دیوتا کا سود ادا کرے گا فصل کی کٹائی کے وقت وہ اصل بمع سود ادا کرے گا، یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ سورج پرست امت شاخ اس ادارے کی ہی مقرر کردہ وکیل تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چکنی مٹی کی تختیاں اپنے اوپر کنداں تحریر کے ساتھ موجودہ دور کے قابل فروخت (Negotiable) تجارتی دستاویزات (commercial paper) کی مانند تھیں۔"(۱۶)

گویا کہ قبل از مسیح بینکاری کی ابتدائی صورت قیام میں آچکی تھی، مندر اور معبد خانے ایک طرح سے تجارتی ادارے بھی تھے، جس میں ڈپوزٹ، سودی قرضے کی فراہمی جیسے دیگر امور انجام پاتے تھے، جیسا کہ یہ واضح ہے کہ:

"۵۷۵ ق م، بابل میں ایک بینکاری کا ادارہ لے جیبی (Lgibi) کے نام سے قائم کیا گیا، اس بینک کا ریکارڈ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بینک درج ذیل کام سرانجام دیتا تھا، اپنے گاہک کے وکیل کے طور پر خریداری کرنا، فصلوں پر قرضے دینا، ادائیگی کو یقینی بنانے کے لیے فصلوں کو پیشگی رہن رکھنا، دستخطوں اور گروی رکھ کر قرضے دینا اور سود پر کھاتے کھولنا وغیرہ"(۱۷)

قدیم و جدید سودی نظام میں مماثلت

اگرچہ قدیم بینکاری نظام اس طرح سے منضبط و مربوط نہیں تھا جس طرح سے جدید بینکاری نظام ہے۔ تاہم قدیم و جدید سودی نظام میں مماثلت قرض و امانت رکھنے کے معاملات اور اس پر شرح سود مقرر کرنے میں ہے۔ عصر

حاضر کے مالیاتی معاملات میں بینک اعصاب کی حیثیت رکھتا ہے اور سودی مالیاتی نظام میں بینک کو اس وجہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ عصر حاضر میں تمام مالی معاملات بینکنگ کے ذریعے سے انجام پاتے ہیں اور سود کا اصل تعلق قرض کے ساتھ ملحق ہے۔اور بینکاری نظام کے رواں دواں رہنے کی حقیقی بنیاد قرضوں کا کاروبار ہے، قرضوں کی فراہمی اور قرضوں کی وصولی دونوں ہی بینکنگ سسٹم میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، اس کے علاوہ بھی بینک دیگر خدمات انجام دیتا ہے جس پر چارجز وصول کرتا ہے جو کہ عصر حاضر کی ضرورت بھی ہے اور سہولت بھی۔ لیکن سودی کھاتہ کے حوالے سے کنویشنل بینکنگ کی تنظیمی ہیئت کا دارومدار ہی سودی قرضوں پر ہے اسی لیے بینک کی تعریف ہی سودی قرضوں کے لین دین پر مشتمل ہے۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا'' میں یہ تعریف کی گئی ہے۔

> An institution that deals in money and its substitutes and provides other financial services. Banks accept deposits and make loans and derive a profit from the difference in the interest rates paid and charged respectively. Some banks also have the power to create types of banking in the modern industrial money. The principal world are commercial banking and central banking.[۱۸]

> ''یعنی کہ بینک ایک ایسے ادارے کو کہا جاتا ہے جو پیسوں کے معاملات کرتا ہے اور مالیاتی خدمات مہیا کرتا ہے۔مزید یہ کہ بینک امانتوں کی وصولیابی کرتا ہے اور اس پر سود لگاتا ہے اور مختلف انٹرسٹ ریٹ کے تناسب سے نفع بھی دیتا ہے اور چارج بھی کرتا ہے۔اور بعض بینکوں کے پاس تو اتنی پاور ہوتی ہے کہ وہ خود پیسوں کی پیداوار کرتے ہیں۔ماڈرن انڈسٹریل ورلڈ میں بینک دو طرح کے رائج ہیں۔ سینٹرل بینک اور کمرشل بینک۔''

گویا کہ بینک کچھ ڈپوزٹ پر مختلف انٹرسٹ ریٹ کے تناسب سے سود دیتا ہے۔ بینکاری سسٹم کی سرمایہ کاری بھی اسی ریٹ آف انٹرسٹ کے تناسب سے قائم ہوتی ہے۔حاصل ہونے والا منافع سودی شرح تناسب پر منحصر ہوتا ہے۔ ''اوکسفرڈ ڈکشنری'' میں بینک کا یوں تعارف کرایا گیا ہے کہ:

> A financial establishment that uses money deposited by customers " for investment, pays it out when required, makes loans at interest, and exchanges currency.[۱۹]

> ''بینک ایسا مستحکم معاشی ادارہ ہوتا ہے جو لوگوں کی رقم سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرتا ہے اور مطالبہ پر ادا بھی کرتا ہے اور اس پر نفع کے تناسب سے سود بھی لگاتا ہے اور کرنسی کے تبادلہ کی خدمات بھی انجام دیتا ہے۔''

ان دونوں تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ بینک کسٹمرز کے قرضے استعمال کرتا ہے جو انویسٹمنٹ کے لیے

رکھوائے جاتے ہیں اور انٹرسٹ پر شرح سود متعین کرتا ہے۔اور پیسوں کا کاروبار کرتا ہے اگرچہ اور بھی فنانشیل سروسز مہیا کرتا ہے مگر سب سے مضبوط ذریعے قرض کا لین دین ہے۔اور اس پر حاصل ہونے والے نفع کی وصولی یا ادائیگی کا انحصار اسی شرح ریٹ پر ہوتا ہے جو انٹرسٹ پر لی جاتی ہے۔اور بعض بینکوں کے پاس تو اتنی پاور ہوتی ہے کہ وہ خود پیسوں کی پیداوار کرتے ہیں۔ گویا کہ بینک ایسا معاشی ادارہ ہوتا ہے جو لوگوں کی رقم محفوظ رکھنے کے لیے جمع کرتا ہے اور اس رقم کو قرض دینے کے لیے استعمال کرتا ہے۔لوگوں سے قرض رقم لے کر اُن کو نفع کم شرح سود میں ادا کرتا ہے اور لوگوں کو رقم دے کر ان سے زیادہ شرح سود وصول کرتا ہے۔ شرح سود کا یہ فرق ہی بینک کا منافع ہوتا ہے۔

دورِ جاہلیت میں سود

دورِ جاہلیت میں اصل قرض پر مشروط اضافہ عائد کیا جاتا تھا۔یہ قرضے صرفی بھی ہوتے تھے اور تجارتی اغراض کے لیے بھی۔جو قبائل امیر ترین تھے انھوں نے قرضوں کی فراہمی پر اضافے کی وصولیابی کو ذریعہ اکتساب بنایا ہوا تھا۔ہو بہو آج کے روایتی بینکاری نظام کی طرح،اگر قرض کی ادائیگی بروقت نہ کی جاتی تو اس پر معاہدے کے مطابق ماہانہ،سالانہ مشروط اضافہ عائد کیا جاتا تھا اور یہ اضافہ بڑھتا ہی رہتا جب تک کہ اصل سرمایہ+اضافی شرح سود ادانہ کردی جاتی،عربوں میں یہ کوئی نیا سلسلہ نہ تھا بلکہ جاہلیت کے ادوار ہی کی باقیات تھیں جس نے سودی بازار گرم کر رکھا تھا۔ حاجت مندوں کے لیے بھی اور بزنس والوں کے لیے بھی۔"عرب میں اسلام کے ظہور سے قریبی زمانے میں تجارتی ،صنعتی اور زرعی قرضے سودی بنیاد پر شام کی بازنطینی حکومت میں اتنے زیادہ عام تھے کہ ایک بازنطینی حاکم جسٹنین(Justinian)(۵۶۵۔۵۲۷)کو مختلف قسم کے مقروضوں کے لیے ریٹ آف انٹرسٹ (شرح سود) کی تعیین کے لیے باقاعدہ ایک قانون نافذ کرنا پڑا۔" (۲۰)

گبّن نے جسٹنین(Justinian) کے اس قانون کو یوں بیان فرمایا ہے:

> Persons of illustrious rank were confined to the moderate profit of four percent; six was pronounced to be the ordinary and legal standard of interest; eight was allowed for the convenience of manufacturers and merchants; twelve was granted to nautical insurance. (۲۱)

اس سے یہ واضح ہے کہ قانوناًریٹ آف انٹرسٹ ممتاز عہدوں کے لوگوں کے لیے ۴ فیصد،اور عام لوگوں کے لیے ۶ فیصد مقرر کیا گیا،اور صنعت و تجارت سے متصل لوگوں کے لیے ۸ فیصد،اور بحری انشورنس کرانے والوں کے لیے ۱۲ فیصد مقرر کیا گیا۔

سود کے لیے عربی زبان میں "ربا" کا لفظ استعمال ہوتا ہے،اور قرآن میں بھی سود کے لیے "ربا" کا لفظ ہے۔زمانۂ جاہلیت میں "الربوٰا" کا اطلاق جس طرز معاملہ پر ہوتا ہے اس کی متعدد صورتیں روایات میں آئی ہیں جو کہ

درج ذیل ہیں:

۱۔ جاہلیت میں ربا کی ایک یہ صورت رائج تھی کہ ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمے حق (قرض) ہوتا اس کی ادائیگی کے لیے ایک مقررہ وقت دے دیا جاتا اگر ادائیگی وقت پر نہ کی جاتی تو وقت بڑھانے کے ساتھ ساتھ واجب الادا حق میں بھی اضافہ کر دیا جاتا۔ جیسا کہ در منثور میں یہ صورت مذکور ہے:

عَن زيد بن أسلم قال: كان الرِّبَا فِي الْجاهلِيَّة أَن يكون للرجل على الرجل الْحق إِلَى أجل فَإِذا حل الْحق قال: اتقضي أم تربي فَإِن قضاه أَخذ وَإِلَّا زاده فِي حَقه وزاده الآخر فِي الْأَجَل [۲۲]

"جاہلیت کا ربوٰا یہ تھا کہ ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمے حق (قرض) واجب ہوتا اور اس کا وقت مقرر ہوتا۔ مہلت کے پورا ہونے پر پوچھتا ادائیگی کروگے یا سود دوگے! وہ اگر ادائیگی کر دیتا تو وہ لے لیتا وگرنہ (مدت پوری ہو جانے کے بعد) وہ مزید مہلت دیتا اور حق (قرض) میں بھی اضافہ کر دیتا۔"

اس صورت میں قرض دینے والا مقروض سے پوچھتا کہ آپ ادائیگی کریں گے یا مہلت اور واجب الادا حق میں اضافہ قبول کریں گے۔

۲۔ دوسری صورت یہ تھی کہ مقروض قرض دینے والے سے کہتا کہ میں آپ کو اتنا اور اتنا زیادہ دوں گا اگر آپ میری ادائیگی کی مہلت بڑھا دیں۔ جیسا کہ مجاہد کہتے ہیں کہ:

كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّة يكون للرجل على الرجل الدّين فَيَقُول: لَك كَذَا وَكَذَا وتؤخر عني فيؤخر عَنهُ [۲۳]

"جاہلیت کا ربوٰا یہ تھا کہ ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمے قرض ہوتا اور کہتا کہ اگر تو مجھے اتنی مہلت دے تو میں اتنا اور اتنا زیادہ دوں گا۔ تو وہ اس کے عوض مہلت بڑھا دیتا۔"

۳۔ تیسری صورت یہ تھی کہ وقت مقرر تک کوئی چیز بیچی جاتی اور قیمت نہ ادا کی جاتی۔ جب ادائیگی کا وقت مقرر آ پہنچتا اور اس کے پاس ادائیگی کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ اصل سرمایہ میں اضافہ کے ساتھ مہلت بڑھا دیتا۔ جیسا کہ قتادہ فرماتے ہیں کہ:

أن ربا أهل الجاهلية: يبيعُ الرجل البيع إلى أجل مسمًّى، فإذا حل الأجل ولم يكن عند صاحبه قضاء، زاده وأخَّر عنه [۲۴]

"اہل جاہلیت کا سود یہ تھا کہ وقت مقرر تک کوئی چیز بیچی جاتی، جب وقت مقرر آ پہنچتا اور اس کے پاس ادائیگی کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ اصل سرمایہ میں اضافہ کے ساتھ مہلت بڑھا دیتا۔"

۴۔ چوتھی صورت یہ تھی کہ قرض دیے گئے مال کے عوض بطور سود ایک معین رقم ماہانہ وصول کی جاتی تھی۔ اور اصل سرمایہ باقی رہتا جس کی ادائیگی مقررہ وقت پر کی جاتی، اگر مقررہ وقت پر اصل سرمایہ ادا نہ کیا جاتا تو پھر

مہلت میں بھی اضافہ کیا جاتا اور واجب الاداحق میں بھی۔ جیسا کہ امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ:

أَمّا ربا النّسيئة فهو الْأَمْر الّذي كان مشْهورًا مُتعارفًا في الْجاهليّة، وذلك أَنّهُمْ كَانوا يدْفعون الْمال عَلى أَنْ يَأْخذوا كلّ شَهْر قدْرًا معيّنًا، ويكون رَأْس الْمَال بَاقِيًا، ثُمّ إِذَا حَل الدّيْن طالبوا الْمدْيون برَأْس الْمال، فَإِنْ تَعَذّر عَلَيْه الْأَداء زادوا فِي الْحَقّ والْأَجَل، فَهَذَا هُوَ الربَا الّذِي كَانُوا فِي الْجاهلِيّة يتعاملون بِهِ(۲۵)

"امام رازی کی تحقیق میں ربا النسیئہ وہ ربا تھا جو جاہلیت میں مشہور و متعارف تھا۔ ان کا دستور یہ تھا کہ وہ مال قرض اس بنا پر دیا کرتے تھے کہ اس کے بدلے میں ماہ بماہ ایک مقررہ رقم سود کے طور پر وصول کرتے رہیں گے۔ اور اصل رقم باقی رہے گی۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی تو مدیون سے راس المال کا مطالبہ کیا جاتا اگر وہ عدم ادائیگی کا عذر پیش کر دیتا تو مہلت اور مال میں مزید اضافہ کر دیا جاتا۔ یہ وہ ربا تھا جس پر جاہلیت میں عمل در کار تھا۔"

خط کشیدہ تمام صورتیں عرب میں رائج تھیں انھی کو اہل عرب اپنی زبان میں "رٰبوالجاہلیۃ" کہتے تھے اور یہی وہ چیز تھی جس کو ربا النسیئہ، بھی کہا جاتا ہے اور اسی کی تحریم کا حکم قرآن پاک میں نازل ہوا ہے۔ جس میں مہلت میں اضافہ ادھار میں اضافہ کے بدلے کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ "امام الکیا الہراسی" رباجاہلیت کی یہ تعریف کرتے ہیں:

والذي كان في الجاهلية كان القرض بزيادة، وما كانوا يؤجلون إلا بزيادة في نفس النسيء(۲۶)

"جاہلیت میں جو ربا تھا وہ اضافہ کے ساتھ قرض کا معاملہ تھا۔ مقروض کو مہلت صرف اسی وجہ سے دی جاتی تھی کہ اس کے بدلے میں اصل ادھار میں اضافہ کیا جائے گا۔"

گویا جاہلیت کا ربا یہ تھا کہ مشروط اضافہ کے ساتھ قرض کا معاملہ ایک مقرر وقت تک کے لیے طے کیا جاتا، اور یہ زیادتی تاخیرِ مہلت کے عوض ہوتی۔ اہل عرب اس اضافہ کو جائز منافع سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ خواہ اضافہ خرید وفروخت کے معاملے کی ابتدا ہی میں منافع کی صورت میں ہو یا اضافہ تاخیر مہلت کے عوض ادائیگی کے وقت کیا جائے دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ "ابن مصطفیٰ استنبولی" کی تحقیق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

روي ـ أن أهل الجاهلية كان أحدهم إذا حلّ ماله على غريمه فطالبه به يقول الغريم لصاحب الأجل زدني شيئاً في الأجل حتى أزيدك في المال فيفعلان ذلك ويقولان سواء علينا الزيادة في أول البيع بالربح أو عند المحل لأجل التأخير(۲۷)

"اہل جاہلیت یہ کیا کرتے تھے کہ جب مال کی ادائیگی کا وقت پورا ہو جاتا تو مقروض سے ادائیگی کا مطالبہ کیا جاتا۔ تو مقروض صاحب اجل (مدت بڑھانے والے) سے کہتا مدت میں اضافہ کیجیے میں آپ کے مال میں اضافہ کروں گا۔ تو وہ دونوں اس طرح کرتے اور یہ کہتے تھے کہ ہمارے لیے دونوں صورتیں یکساں ہیں اضافہ خرید وفروخت کے معاملے کی ابتدا ہی میں منافع کی صورت میں وصول کیا جائے یا اضافہ

تاخیر مہلت کے عوض ادائیگی کے وقت وصول کیا جائے۔"

گویا کہ ان کے تصور میں خرید و فروخت اور سودی کاروبار یکساں تھا جس کی بنا پر وہ کہتے تھے کہ بیع بھی تو سود جیسا معاملہ ہے۔ تو اللہ نے ان کے تصور کو ان الفاظ کے ساتھ صاف کیا کہ خرید و فروخت جائز معاملہ ہے اور سود حرام ہے۔

اہل عرب میں تجارتی سود

سود کی عمومی اور قدیم شکل قبل از مسیح سے زیرِ عمل رہی۔ تاہم بعثت نبوی ﷺ کے دور میں تجارتی سود انتہائی واضح تھا کیونکہ عربوں کا پیشہ ہی تجارت تھا اور وہ قرضوں پر شرح سود سال بہ سال کے اضافے کے ساتھ باہم اشراف قبائل میں طے کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ تفاسیر واحادیث سے واضح ہے۔ حضرت عباسؓ کا بڑے پیمانے پر سودی کاروبار مشہور تھا۔ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں کہ:

نزلت هذه الْآيَةَ فِي الْعَبَّاس بن عبد الْمطلب وَرجل من بني الْمُغيرَة كَانَا شَرِيكَيْنِ فِي الْجَاهِلِيَّة يسلفان فِي الرِّبَا۔[(۲۸)]

"حضرت عباس بن عبد المطلب اور بنی مغیرہ کے ایک آدمی کے متعلق قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ دونوں جاہلیت میں سود پر قرضوں کی فراہمی کے کاروبار میں شریک کار تھے۔"

روایت میں "شریکین" کا لفظ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ دونوں مل کر لوگوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے ایک طرح سے یہ ان کا سودی کاروبار تھا۔ اور حضرت عباس مکے کے بڑے تاجروں میں سے تھے اور بہت سے لوگوں پر ان کا پیسہ پھیلا ہوا تھا۔ مگر حرمت نازل ہونے کے بعد سب چھوڑ دیا۔ اسی طرح قبیلہ ثقیف کے چار بھائی سودی کاروبار میں بہت مشہور تھے ان کا سودی کاروبار مکے تک پھیلا ہوا تھا اور یہ بنو مغیرہ سے قرض کا لین دین کیا کرتے تھے۔ ان ہی بھائیوں کے ایک سودی کاروبار کے مقدمے نے اس قدر طول کھینچا کہ یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کے پاس مدینے میں پیش ہوا اور اسی سودی مقدمے کے سلسلے میں قرآنی آیت وذروا مابقی من الربوا (مابقی سود نہ لو) نازل ہوئی جس طرح اس روایت سے واضح ہے کہ:

"ثقیف کے چار بھائی مسعود، عبد یالیل، حبیب اور ربیعہ بن عمیر الثقفی یہ چاروں بنو مغیرہ کو قرض دیا کرتے تھے اور وہ انھیں سود ادا کرتے تھے۔ جس وقت رسول ﷺ طائف تشریف لے گئے تو یہ چاروں بھائی مشرف بہ اسلام ہوئے اور بنو مغیرہ سے سود طلب کیا بنو مغیرہ نے کہہ دیا کہ بخدا! ہم اسلام میں تو سود نہیں دیں گے۔ خدا نے اس کو مسلمانوں سے ہٹا دیا ہے بالآخر وہ اپنے اس قضیہ کو عتاب بن اسید کے پاس لے گئے جو آنحضرت ﷺ کی طرف سے مکے کے والی، قاضی تھے عتاب نے فریقین کے قضیہ کو لکھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ سود کی یہ رقم بہت بڑی تھی اسی پر قرآن کی وذروا مابقی من

الربوا والی آیت نازل ہوئی (یعنی سود کی بقیہ رقم طلب نہ ہو)"(۲۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ:

کانت بنو عمر و بن عامر یاخذون الربا من بنی المغیرہ، و کانت بنو المغیرہ یربون لھم فی الجاھلیۃ، فجاء الاسلام و لھم علیھم مال کثیر (۳۰)

"کہ بنو عمر، بنی مغیرہ سے سود لیا کرتے تھے اور بنو مغیرہ جاہلیت کے دور میں انھیں سود دیا کرتے تھے اور جب اسلام آیا تو کثیر مال ان پر واجب تھا۔"

اس روایت میں جو "مال کثیر" کا لفظ ہے کہ "جب اسلام آیا تو بہت بڑی سود پر مبنی رقم یا سرمایہ ایک قبیلے کا دوسرے قبیلہ کے ذمے واجب الادا تھا" اس سے واضح ہوتا ہے کہ بنو عامر اور بنو مغیرہ دونوں قبائل کی حیثیت تجارتی کمپنیوں جیسی تھی ایک قبیلے کے افراد اپنا مال ایک جگہ جمع کر کے اجتماعی انداز میں اس سے تجارت کیا کرتے تھے پھر یہ قبیلے اچھے خاصے مالدار بھی تھے۔ دو مالدار قبیلوں کے درمیان سود کے مسلسل کاروبار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی ہنگامی ضرورت کے لیے نہیں بلکہ یہ لین دین تجارتی بنیادوں پر باہمی مشارکت کے اصولوں پر تھا۔ پس جب اسلام آیا ان کے متعلق سود کی بڑی رقم واجب الوصول تھی۔ لیکن سود حرام ہوتے ہی ایسے جملہ مطالبات ساقط ہو گئے۔ گویا کہ آپ ﷺ کے دور میں تو تجارتی سود انتہائی واضح تھا کیونکہ عربوں کا پیشہ ہی تجارت تھا اور وہ قرضوں پر شرح سود سال بہ سال کے اضافے کے ساتھ باہم اشراف قبائل میں طے کیا کرتے تھے۔ اسی لیے تو انہوں نے یہ جواز پیدا کیا تھا کہ جب تجارت جائز ہے تو سود یعنی ربا بھی جائز ہونا چاہیے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (۳۱)

اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا یعنی کہ خرید و فروخت، تجارت، ربا کی ہم مثل ہے، کیونکہ ربا میں بھی منافع تجارت کی طرح حاصل کیا جاتا ہے، قرآن نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا: ربا حرام ہے اور تجارت جائز ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل عرب میں سود صرف ذاتی ضروریات تک محدود نہ تھا بلکہ کاروباری سطح پر عام تھا۔ یہ شبہ پیش کیا جانا کہ شخصی سود اور تجارتی سود میں فرق ہے حرمت صرف شخصی سود کی ہے تجارتی کی نہیں۔ اس ضمن میں مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :

"کہ مختلف سورتوں کی سات آٹھ آیتوں میں اور چالیس سے زیادہ احادیث میں مختلف عنوان سے اس کی حرمت بیان کی گئی ہے ان میں سے کسی ایک جگہ کسی ایک لفظ میں بھی اس کا اشارہ موجود نہیں کہ یہ حرمت صرف اس ربا کی ہے جو شخصی اغراض کے لیے لیا دیا جاتا تھا تجارتی سود اس سے مستثنیٰ ہے۔ پھر کسی کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے خدا تعالیٰ کے حکم میں سے کسی چیز کو محض اپنے خیال سے مستثنیٰ کر دے یا عام ارشاد کو خاص کر دے یا مطلق کو بلا کسی دلیل شرعی مقید و محدود کر دے یہ تو کھلی تحریفِ قران ہے، سود و ربا یعنی

قرض پر نفع لینا خواہ قدیم طرز کا مہاجنی سود ہو یا نئی قسم کا تجارتی اور بینکوں کا، بہر حال حرام ہے۔"(۳۲)

خلاصہ

مضمون سے مطلوب نتائج یہ ہیں کہ:

۱۔ قدیم ترین مذاہب ہندو مت، برہمنیت، یہودیت وغیرہ میں سودی نظام رائج تھا۔ باقاعدہ قرضوں پر شرح سود مقرر تھی اور سود در سود کا معاملہ ہوتا تھا۔ جس طرح کہ آج کے دور میں بھی قرضوں پر شرح سود کا نظام قائم ہے۔ اور یہ قدیم نظام قبل از مسیح کا ہے۔

۲۔ قدیم طرز بینکاری نظام دو ہزار سال قبل از مسیح پایا جاتا تھا۔ اگرچہ ایک ادنی سطح پر یہ نظام قائم تھا۔

۳۔ سلطنت روما کے زوال کے ساتھ قدیم بینک عارضی طور پر غائب ہو گئے تھے۔ پھر دوبارہ نظام بینکاری کے احیا کا آغاز بارھویں اور تیرھویں صدی میں فلورنس اور جینوا (اٹلی) کے اطالوی قصبوں میں ہوا۔ اور سولھویں صدی میں جرمن میں ایک خاندان جنھیں "فاگرز" کہا جاتا تھا بہت ہی ماہر بینکار ثابت ہوئے۔

۴۔ روایات سے دورِ جاہلیت کا سود انتہائی واضح ہے جس میں مہلت کے عوض قرض پر مشروط اضافہ وصول کیا جاتا تھا۔

۵۔ دورِ جاہلیت میں سودی کاروبار بامِ عروج پر تھا۔

۶۔ عصر حاضر کے سودی بینکاری نظام میں رائج "ربا النسیئۃ" (مہلت کے عوض قرض پر مشروط اضافہ) قبل از مسیح کے سودی نظام اور اہل عرب کے دورِ جاہلیت میں بھی رائج تھا۔ اور یہی وہ قسم ہے جس کی حرمت قرآن سے قطعی الثبوت ہے۔

حوالہ جات

(۱) ہود: ۸۷

(۲) سید ابو الاعلیٰ مودودی، ترجمہ قرآن مجید، ہود: ۸۷، ناشر: ادارۂ ترجمان القرآن لاہور، اشاعت ۱۴۲۴ھ، ص ۵۹۳

(۳) https://ur.wikipedia.org/wiki/ویدک_تہذیب Retrieved on 4.01.2018

(۴) G.Buhler,Translated with extracts from Seven Commentarles.The Law of Manu at the clarendon press,1886,142/xii.p.278.

(۵) کوٹلیہ چانکیہ، ترجمہ: سلیم اختر، ارتھ شاستر، نگارشات، میاں چیمبرز ۳ ٹمپل روڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۵

(۶) ایضاً، ص ۲۲۹۔۲۳۰

(۷) رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، مکتبہ قاسمیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، جون ۲۰۱۶ء، حصہ ۱، ص ۱۹

(۸) رابرٹ وین ڈی ویئر، ترجمہ: ملک اشفاق، یہودیت، بک ہوم لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۱

(۹) تورات، کتاب: خروج، باب ۲۲، آیت ۲۵، پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۸۹

(۱۰) ایضاً، تورات، کتاب: استثنا، باب ۲۳، آیت ۲۰-۱۹، ص ۴۹۱

(۱۱) محمد یوسف الدین، اسلام کے معاشی نظریے، الائیڈ بک کمپنی کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء، ج ۱، ص ۱۲۳

(۱۲) مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی، گیارھواں ایڈیشن، ۱۹۷۹، ص ۴۰

(۱۳) کتاب مقدس، باب ۱۹ نمبر ۲۳-۲۴، انجیل متیٰ، پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور، پاکستان، ص ۱۷۷۷

(۱۴) http://www.localhistories.org/banking.html. Retrieved on 4/01/2018

(۱۵) ملاٹھوی، مظفر حسین "بلاسود بنکاری" غضنفر اکیڈمی پاکستان کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۷-۸

(۱۶) محمد تقی عثمانی، ترجمہ محمد عمران اشرف عثمانی، سود پر تاریخی فیصلہ، مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴-اگست ۲۰۰۵ء- ص ۵۵

(۱۷) ایضاً، ص ۵۶

(۱۸) http://www.localhistories.org/banking.html. Retrieved on 4/01/2018

(۱۹) http://www.localhistories.org/banking.html. Retrieved on 4/01/2018

(۲۰) سود پر تاریخی فیصلہ، محولہ بالا- ص ۵۸،

(۲۱) http://www.localhistories.org/banking.html. Retrieved on 4/01/2018

(۲۲) عبدالرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (متوفی ۹۱۱ھ)، الدر المنثور، الناشر: دار الفكر بيروت، س، ن، ج ۲، ص ۱۰۸

(۲۳) ایضاً، ج، ۲ ص ۱۰۸

(۲۴) محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري، المحقق: أحمد محمد شاكر، جامع البيان في تأويل القرآن، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۰ھ - ۲۰۰۰م، ج ۶، ص ۸

(۲۵) أبو عبد الله محمد بن عمر التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري- مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، دار إحياء التراث العربي- بيروت الطبعة: الثالثة- ۱۴۲۰ھ-، ج ۷، ص ۷۲

(۲۶) علي بن محمد بن علي، أبو الحسن الطبري، الملقب بعماد الدين، المعروف بالكيا الهراسي الشافعي، المحقق: موسى محمد علي وعزة عبد عطية، أحكام القرآن، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۵ھ-، ج ۱، ص ۲۳۳

(۲۷) إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي، تفسير روح البيان- دار إحياء التراث العربي، س ن- ج ۱، ص ۳۵۶

(۲۸) السيوطي، الدر المنثور، محولہ بالا، ج ۲، ص ۱۰۷

(۲۹) الطبري، جامع البيان في تأويل القرآن" (تفسیر طبری)، محولہ بالا، ج ۶، ص ۲۳

(۳۰) السيوطي، الدر المنثور، محولا بالا، ج ۲، ص ۱۰۷

(۳۱) البقرہ: ۲۷۵

(۳۲) مفتی محمد شفیع صاحب، مسئلہ سود، ادارۃ المعارف کراچی- ۱۹۹۳ء- ص ۲۷